

لیفٹنٹ کرنل رہنما محمد اعظم

بد صورت امریکن

THE UGLY AMERICAN

یہ اس کتاب کا نام ہے جو سن 1959ء میں دو امریکیوں⁽¹⁾ نے لکھی اور امریکہ میں ہی طبع ہو کر تقریباً دو سال تک ملک کی سب سے زیادہ بجنے والی کتابوں میں سر فہرست رہی۔ یہ کتاب اس سوال سے متعلق تھی کہ امریکن لا تعداد ممالک کو اقتصادی مالی اور فوجی امداد دینے کے باوجود دنیا بھر میں ناپسندیدہ کیوں سمجھے جاتے ہیں۔ جن دنوں امریکہ میں اس کتاب کا شہرہ تھا میں وہیں پر تھا اور ایک فوجی ادارے میں زیر تربیت تھا جس کا کمانڈنٹ ایک ایسا افسر تھا جو فلپائن میں امریکن فوجوں کے جاپانیوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے وقت لیفٹنٹ کے عہدے پر تعینات تھا۔ مگر اس نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے بھاگ کر لوزان کے خونخوار پہاڑی قبائل میں پناہ ڈھونڈنے کو ترجیح دی۔ اور ڈگلس میکارتھر کی فوجوں کے دوبارہ فلپائن پر قبضہ کرنے تک ایک مشہور قبیلے کے جنگجوؤں کو منظم کر کے اپنے طور پر جاپانیوں سے لڑتا رہا۔ چونکہ کرنل ڈلٹڈ بلیک برن اکیلا کئی سال تک قبائل کے درمیان رہا تھا اور اسے تجربے سے وہ کچھ حاصل کیا جو کسی اور ذریعے سے حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے اسکی باتیں اس موضوع پر اپنے اندر علم و تجربے کا وہ بے بہا ذخیرہ لئے ہوتی تھیں کہ سن سن کر جی نہیں بھرتا تھا۔ کورس کے دوران ایک مضمون جو کرنل بلیک برن خصوصی طور پر خود لیا کرتا تھا اس کا عنوان Adjustment to Foreign Enviornments یاد دوسرے لفظوں میں ”اجنبی ماحول میں اپنے آپ کو ڈھالنا“ ہوتا تھا۔

چونکہ مذکورہ کتاب میں کئی واقعات کا علم کرنل بلیک برن کو ذاتی طور پر تھا اس لئے اپنے ہم وطنوں کا تجزیہ کرنے کی وہ بہتر پوزیشن میں تھے اور وہ اس موضوع پر کھل کر بولتے تھے۔ ان کی زبانی اس وقت جو میں نے سنا اس کا لب لباب مختصر الفاظ میں کچھ یوں سمجھ لیجئے کہ

(1) Eugene Burdick and Welliam J. Iedrer

”ہم امریکن اوجھے نو دو تھے لوگ ہیں دوسری قوموں کی طرح ہماری کوئی تاریخ کوئی روایات نہیں۔ جو گری جڑیں رکھتی ہوں۔ ہم اپنے آپ کو دنیا کے سب سے اچھا کھانے پینے والے اور خوش خوراک لوگ سمجھتے ہیں۔ اور باہر جہاں کہیں جاتے ہیں۔ یہ بات ہر کسی کو جتلاتے ہیں اور اپنے میزبانوں کو کمتر مخلوق سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ ہم امریکن باوجود تمام ترقی کے ایک جاہل قوم ہیں۔ ہمارے ایک عام شہری کی معلومات بہت کم ہیں۔ جبکہ دنیا کے کسی غریب ملک کا معمولی مزدور بھی ایک عام امریکن شہری سے زیادہ باخبر ہوتا ہے چونکہ ہماری کٹ منٹس گلوبل ہیں۔ اس لئے باہر اپنے بہترین نمائندے نہ بھیج سکنے کی ہماری ایک بہت بڑی مجبوری ہے۔ اچھا امریکن چونکہ ملک کے اندر ہی اتنے ڈالر کمالیتا ہے۔ کہ اسے باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے کمتر استعداد کے لوگ ہی باہر جاتے ہیں جو ظاہر ہے بہترین امریکن نہیں ہوتے اور وہ ہمارے لئے مسائل پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ہمارے کمیشنوں کے ساتھ جو لوگ باہر کے ملکوں کو بھیجے جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو وہاں کا حاکم سمجھ بیٹھتے ہیں اور اس طرح میزبان ملکوں کے ساتھ بد مزگی اور بد سلوکی کا باعث بنتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے اچھے بھلے دوستوں کو دشمن بنا لیتے ہیں۔ اور اگر حکومت نہیں تو عام شہری کو اپنا دشمن بنانے کے لئے ہم خود ایک سازگار فضا مہیا کر دیتے ہیں۔ اور دنیا کے دوسرے ممالک اور انکی ایجنسیاں اس تاک میں رہتی ہیں کہ امریکنوں کی غلطیوں کو کیسے اچھالا جائے اور انہیں انکے دوستوں کی نظر میں کیسے گرایا جائے۔“

آج چالیس سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود امریکنوں کی جیادی نفسیات بہت کم تبدیل ہو پائی ہیں۔ جب تک یہ دنیا دو بلاکوں میں منقسم رہی۔ امریکی حکومت دوست ملکوں کے حوالے سے کبھی کبھی کسی نرم گوشے کا مظاہرہ کر دیتی تھی۔ گو اس میں بھی ڈنڈی مارنے کا عنصر نمایاں رہتا تھا۔ مگر ہمارے حوالے سے کشمیر کا مسئلہ اور 65ء اور 71ء کی جنگیں سرفہرست ہیں۔ حالانکہ اس وقت ہم امریکہ کے اتحادی تھے اور دفاعی معاہدوں میں ان سے منسلک تھے۔ کشمیر کے مسئلے کا حل نہ ہونا۔ 65ء کی جنگ میں ہمارے تمام فوجی اور اقتصادی ذرائع کی ہمدش اور سن 71ء میں درپردہ تقسیم ملک کے منصوبے سے اتفاق نہ ہونا۔ اور اس کے بعد ہمارے دفاعی معاہدے پر

خاموشی وہ چر کے ہیں جنہوں نے ایک عام پاکستانی کو امریکیوں سے زیادہ متفر کیا ہے۔ سیاسی حکومتیں یا سرکار کی بیئت حاکمہ میں امریکیوں کے چیتے اور گنے چنے چند دوسرے افراد کی ایک بہت چھوٹی سی اقلیت موجود ہے۔ جو اپنے آپ میں یہ جرات نہیں پاتی کہ کھل کر اپنے محسنوں کے بارے میں بات کر سکے لیکن عمومی طور پر اس ملک کے باشعور شہری امریکیوں کی حکومت کو ان کی خود غرضانہ پالیسیوں کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں۔ اور اس کی مسلم کش پالیسیوں کے باعث اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔

امریکی صدر کا حالیہ دورہ برصغیر اور اسکے مضمرات کا اگر بظہر غائر جائزہ لیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اپنی قوم کے بارے میں کرئل بلیک برن کے تجزئے سے بہتر کوئی اور تجزیہ ممکن نہ تھا اپنے ۵۰ سال پرانے دوست کیساتھ جس رویے کا مظاہرہ صدر بل کلنٹن نے کیا اس سے زیادہ اہانت آمیز رویہ اختیار نہ کیا جاسکتا تھا۔ مانا کہ بین الاقوامی معاملات میں اہمیت اپنے قومی مفاد کو دی جاتی ہے اور دوسرے مسائل ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ مگر بین الاقوامی رکھ رکھاؤ۔ عالمی ضابطہ اخلاق، سفارتی آداب اور سفارتکاری کی اقدار کی یوں تضحیک نہیں کی جاتی۔ صدر کلنٹن کے دورے کی تاریخ مقرر ہونے سے پہلے ہی دنیا کو یہ تاثر دینا کہ صدر امریکہ نے پاکستان جانے کا ابھی تک فیصلہ نہیں کیا۔ مہمان کے گھر جانے سے پہلے اسکی توہین کرنے کے مترادف ہے۔ حضور اگر آپ کو آنا ہے تو ہمدرد چشم آئیں ایک معزز مہمان کی طرح چشم ہار و روشن دل ماشاء۔ لیکن اگر آنے میں کوئی دقت درپیش ہے تو بے شک نہ آئیں۔ ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ سے پہلے آپ کے ایک پیش رو جمی کارٹر صرف بھارت کا دورہ کر کے لوٹ گئے تھے۔ جس سے ہماری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس بار بھی اگر آپ نہ آتے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ آپ کے آنے سے ہماری ٹوپوں پر کوئی سرخاب کا پر نہیں لگ جاتا تھا۔

میں تاریخ کا طالب علم رہا ہوں۔ اور دنیا کے ملکوں کی عسکری تاریخ میں بھی دلچسپی رکھتا ہوں۔ اپنے مطالعے کے حوالے سے میں امریکن سول وار میں گینٹس برگ اور چانسلر ول کی لڑائیوں کو موت کے ڈھیر پر لایا گیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم

کے دوران بحر الکاہل یورپ اور دوسرے محاذوں پر لڑنے والے امریکن فوجی جرأت سے لڑے۔ اور انکی شجاعت کے کارناموں کی داد دینا زیادتی ہوگی۔ مگر انکی اگلی نسل کا صدر صرف چھ گھنٹے کے قیام کے لئے گرتی ہوئی صحت کے ایک غریب الوطن مجاہد کے ڈر سے اپنی حفاظت کے لئے جو حفاظتی اقدام کر کے پاکستان آیا حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔ اقدامات ملاحظہ ہوں :-

..... صدر امریکہ کی آمد کو پوشیدہ رکھنے کیلئے بغیر شناخت متعدد ہم رنگ ہوائی جہاز استعمال کئے گئے۔

..... امریکہ سے لائی ہوئی متعدد میزائل اور راکٹ پروف متماثل کاریں جنہیں امریکن ڈرائیور چلا رہے تھے ایوان صدر تک صرف چند میل کے سفر کے لئے استعمال کی گئیں۔

..... انٹرپورٹ سے ایوان صدر تک سڑک کے دونوں طرف ٹریفک بند تھی اور دونوں نزدیکی کناروں پر امریکن کمانڈوز تعینات تھے اور اسکے پیچھے درمیانی حفاظتی پٹی پر پاک فوج کے دستے اور اسکے باہر پولیس کے جوان ڈیوٹی پر تھے۔

..... دہشت گردوں کو دھوکہ دینے اور شک میں رکھنے کے لئے بائیں کی بجائے سڑک کی دائیں ہاتھ کی لین کا استعمال کیا گیا۔

..... ایوان صدر میں موٹروں کا قافلہ مقررہ دروازے کی بجائے کسی اور دروازے سے داخل ہوا۔ جب کہ میزبان صدر کہیں اور کھڑا مہمان کا انتظار کر رہا تھا۔

..... موت کا اتنا ڈر اور اسامہ بن لادن کی دہشت نا قابل فہم ہو جاتی ہے۔ جب امریکن سیٹلائٹ فضا سے چپہ چپہ کی نگرانی کر رہے تھے۔ اور پیل پیل کی خبریں دے رہے تھے۔

اس سطح پر موت کا اتنا خوف میری سمجھ سے باہر ہے اور وہ بھی اک ایسے بے سرو ساماں شخص کے ڈر سے جسکے پاس سوائے جذبہ ایمانی کے اور کوئی مافوق الفطرت طاقت نہیں۔ زندگی پیٹک بڑی عزیز متاع ہے۔ لیکن موت کے خوف سے بالاتر ہو کر مردوں کی طرح زندہ رہنا اس سے بھی بڑا افتخار ہے شیکسپیر اپنے شہرہ آفاق ڈرامے جو لیس سیزر میں کہتے ہیں کہ بزدل موت سے پہلے بار بار مرتے رہتے ہیں۔ لیکن بہادر موت کا مزہ صرف ایک بار چکھتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ سکیورٹی کے یہ

شرمناک انتظامات صدر کی ذاتی خواہش پر کئے گئے یا یہ سی آئی اے اور دوسری ایجنسیوں کا شاخسانہ تھا۔ لیکن ہمارے ہاں دارالحکومت کے دونوں جڑواں شہروں میں زندگی تقریباً دو روز تک معطل رہی اور چہار اطراف سے اسلام آباد آئیوالوں کو واپس لوٹایا جاتا رہا۔

حقائق سے چشم پوشی ایک عالمی طاقت کے سربراہ کو جو بزع خود انسانی بنیادی حقوق کا چیمپئن۔ عالمی جمہوریت کا محافظ۔ حق و انصاف کی حامی قوتوں کا علمبردار اور اقوام متحدہ کے چارٹر کا ٹھیکہ دار بنایٹھا ہو۔ زیب نہیں دیتی۔ اس چارٹر کے مطابق اپنی آزادی کی جنگ لڑنے والے کشمیری مجاہدین کو دہشت گرد قرار دے کر صدر امریکہ نہ صرف دانش ورانہ بددیانتی کا مرتکب ہوا ہے بلکہ اس نے اخلاقی اقدار کی بے حرمتی بھی کی ہے۔ پاکستانی عوام کو مخاطب کرنے سے پہلے کاش صدر امریکہ امریکہ جہاد اور دہشت گردی کا فرق معلوم کر لیتے۔ سوا کروڑ کشمیری دس سال سے ظلم کی ایک ایسی چٹی میں بھارتی افواج کے ہاتھوں پس رہے ہیں جو اپنے پانچ روزہ دورہ بھارت کے دوران نہ صدر امریکہ کو نظر آسکی اور نہ ہی ان کے بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کو وہ محسوس کر سکے۔ حالانکہ 35 کشمیری سکھوں کے قتل کا واقعہ انکی بھارت میں موجودگی کے دوران ہوا۔ امریکی صدر کا بھارت کی طرف جھکاؤ پاکستانی عوام نے ان کے دورہ بھارت کے اختتام پر شدت سے محسوس کیا ہے۔ اور وہ اس رویے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

کرنل بلیک برن کی بیان کی ہوئی امریکنوں کی تمام کمزوریاں ایک طرف لیکن سپر پاور ہوتے ہوئے بزدلی کی اس حد تک جانا مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ اگر اس سارے تماشے کا مقصد اقتصادی طور پر پر بد حال پاکستان کو جواب مسلم دنیا کی واحد ایٹمی قوت ہونے کا دعوے دار ہے۔ صرف اسکی حیثیت کا احساس دلانا مقصود تھا تو امریکن بین الاقوامی سطح پر ہماری توہین کرنے میں یقیناً کامیاب رہے ہیں۔ اور یہ ہماری سفارتی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت اور ہماری وزارت خارجہ کے چہرے پر لگی کالی سیاہی کے بد نما داغ سے کسی طرح کم نہیں جب کہ آپ کا مہمان آپ کے گھر آکر آپ کو دھمکیاں بھی دے جائے۔ اور نصیحتوں کے کور میں پلیٹ کر جوتے بھی مار جائے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو